OPEN ACCESS
Al-Azvā الاضواء
ISSN 2415-0444 ;E 1995-7904
Volume 36, Issue, 56, 2021
www.aladwajournal.com

تحریک نسائیت کا ارتقاء، ایک تجزیاتی مطالعہ

The Evolution of Feminist Movement An analytical study

Ambreen Ali *(corresponding author)*
PhD Scholar & Research Officer, Department of Islamic Studies,
Bahauddin Zakaria University, Multan, Pakistan

Abdul Quddus Suhaib
Professor, Department of Islamic Studies,
Bahauddin Zakaria University, Multan, Pakistan

KEYWORDS

Women; Feminisms; Evolution; Islam

Date of Publication: 31-12-2021

CC BY

Abstract

Women have been oppressed, subjugated and degraded in the history of the world. However, During the last century, they started to establish their rights and made attempts to end discrimination and injustice against them in the form of women's movement called Feminism. Feminism is a multidisciplinary conceptual framework to combat global challenges faced by women. This movement tended to concentrate on problems of women in their reproductive and social roles .It emerges from different geographical locations within their local socio-cultural environment. In the Western social contexts, the feminist movement had an enormous impact on women's struggle for their social and legal rights, over the last two centuries. World wars of twentieth century,anti-colonial movements, developments of social welfare systems and women's economic autonomy has enabled this half of mankind to speak up for itself. And In most places, their voices have led to changes in the social fabric. Feminist ideology is highly queried and contested. This movement as like other social

movements had drawn controversies too. However, at the same time, it has achieved significant success in the political, social, and legal fields for women. Whether it was winning the place in universal suffrage or having the civil rights. Feminism as a socio-political movement has created quite a stir in the male-streamed world, especially in the western countries .Moreover,It was initiated with indigenous instruments in different societies and cultures .One such instance is Islamic feminism where Muslim women are reclaiming their rights through Islam and Quran and in its effect liberating Muslim women from patriarchy .This paper mainly discusses the evolution of feminism in different eras and cultures of the world.

فیمینزم (feminism) بطور ایک فکر اور تحریک کے دنیا بھر میں سماجی وادبی علوم کا حصہ ہے اور اس سے متعلق مختلف مکاتب فکر موجود ہیں۔ فطری طور پر غالب تہذیبیں معاشروں کو نئی اصطلاحات اور طرز زندگی عطا کرتی ہیں۔ جیسا کہ جدید مغربی معاشرے میں فیمینزم (feminism) کی اصطلاح ایک ناقابل فراموش حقیقت کے طور پر سامنے آئی ہے۔ ابتداء میں یہ تحریک خواتین کے حقوق کی تحریک کے طور پر رونما ہوئی جو بعد میں آزادی نسواں اور تحریک نسواں/نسائیت کے نام سے پہچانی جانے لگی۔ مغرب میں خواتین کے حقوق کا تصور پہلے پہل انیسویں صدی کی تحریروں میں ملتا ہے۔[1] فیمینزم feminism کا لفظ فرانسیسی ماہر عمرانیات چارلس فوریئر Charles Fourier نے سب سے پہلے 1837ء میں استعمال کیا[2]۔ انیسویں صدی کی آخری چوتھائی تک یہ اصطلاح فرانس اور نیدر لینڈ میں ہی استعمال ہوئی۔ انیسویں صدی کی آخری دہائی میں برطانیہ اور 1910ء میں امریکہ میں اس کو پذیرائی ملی۔ آکسفورڈ انگلش ڈکشنری نے 1852ء کو "فیمنسٹ" اور 1895ء کو "فیمینزم" کی اصطلاحات کے آغاز کے سال قرار دیا۔[3] دنیا کے مختلف حصوں میں حقوق نسواں کی تحریکیں مختلف مقاصد کے تحت موجود ہیں۔ تحریک حقوق نسواں/ تحریک نسائیت (feminism) کی اصطلاح کے فہم کے حوالے سے ہر دور میں مختلف تعبیرات سامنے آتی رہی ہیں۔ چونکہ اس اصطلاح کا ظہور مغربی معاشرہ میں ہوا اس لیے اس کا بہتر فہم انہی کی بیان کردہ مفاہیم سے اخذ کیا جاسکتا ہے۔

نسائیت، تعریف وتوضیح:

فیمینزم(feminism) کی متعدد تعریفیں کی جاسکتی ہیں اور مختلف ادوار میں کی جاتی رہی ہیں۔ انسائیکلوپیڈیا بریٹینکا کے مطابق:

"Feminism is the theory of political, economic and social equality of sexes"

"فیمینزم ایک سماجی ،سیاسی و معاشی تحریک ہے جو خواتین کے مساوی حقوق کے لیے جدوجہد کرتی ہے۔"[4]

میریم ویبسٹرڈ کشنری کے مطابق "فیمینزم سیاسی، سماجی اور معاشی طور پر مرد و عورت کے درمیان برابری پر مبنی سوچ ہے۔[5]سٹینفرڈ انسائیکلوپیڈیا آف فلاسفی کے مطابق "نسائی تحریک انداز فکر اور طرز تفکر ہے جو سیاسی طور پر عورتوں کے لیے انصاف اور عدم مساوات کا خاتمہ چاہتی ہے۔[6]

''Feminism believes and aims that women should have the equal rights, power, and opportunities as provided to men''.

نسائی تحریک عورتوں کے مفادات و حقوق کے تحفظ کی ضمانت فراہم کرتی ہے۔[7]

نینسی کاٹ کے مطابق نسائی تحریک عدم مساوات کے خاتمے اور مساوی حقوق کے حصول کا نام ہے۔[8]

"Feminism is a discourse that involves various movements, theories and philosphies which are concerned with issues of gender difference, advocate equality for women and campaign for women rights and interests."[9]

تحریک نسواں مرد و خواتین کی یکساں حیثیت میں حقوق کا تعین کرتی ہے۔معاشی ،سیاسی اور معاشرتی مساوات کی علمبردار ہونے کی حیثیت سے خواتین کے حقوق کے لیے جدوجہد کرتی ہے اور ترقی و تبدیلی کے عمل میں تمام شعبہ ہائے زندگی میں یکساں و مساوی کردار پر زور دیتی ہے۔ نیز یہ تحریک واضح کرتی ہے کہ دونوں انسانی اصناف کو اپنے فیصلوں پر مکمل اختیار حاصل ہے۔

نسائیت(Feminism) ایک کثیر الجہت اصطلاح ہے جو مختلف انواع کے محرکات، مبادیات، رجحانات، نظریات اور مدلولات پر مبنی ہے۔اس تحریک کا بنیادی محرک مردوں اور خواتین کے حقوق میں مساوات اور خواتین کے تشخص کا تحفظ ہے۔اس سیاق وسباق میں یہ تحریک پدر سری نظام، غالب مردانہ معاشرہ، سماجی، سیاسی، اقتصادی ناہمواری، حقوق کی غیر مساوی تقسیم، روایات کے جبر اور اخلاقی اقدار کی پامالی جیسے متعدد مسائل و امکانات کو تنقید کا نشانہ بناتی ہے۔ پیٹر کالنگرمین اور گلین نیروگ ایک مضمون میں لکھتے ہیں۔

"Feminism is the system of ideas and Political Practices based on the principle that women are human beings equal to men. Feminism may be the most wide ranging social movement in history, effecting change in the institution, stratification practices and culture of nearly all societies[10] "

تحریک نسائیت کے نظریہ اور سیاسی جدوجہد کی بنیاد مساوات مرد وزن پر ہے۔اس سماجی تحریک نے دنیا کی تہذیب ومعاشرت پر گہرے اور دوررس اثرات مرتب کیے ہیں۔جولی شین "Feminism Activism in Latin America" میں لکھتی ہیں کہ:

"Feminism attempts to transform women from object to subject, specifically with respect to knowledge. In other words, Feminism and by extension feminist activism is about centering the lives of women"[11]

نسائیت کی فکر اپنے مقصد اولین میں ،زندگی کے تمام شعبہ جات میں مردوں اور عورتوں کے درمیان مساوات کی حامی ہے۔ ادب وفن ہو یا سماجیات، تہذیب و ثقافت ہو یا سیاست و معیشت، کسی بھی شعبہ میں جب خواتین اور مرد کو برابری کے حقوق سے متعلق فکری اور ادبی رویے ظاہر کیے جاتے ہیں خواہ ان رویوں کا اظہار خواتین کرے یا مردان کا شمار نسائی فکر میں کیا جاتا ہے۔ مختصراً نسائی تحریک خیالات و نظریات کا مجموعہ ہے لیکن یہ خیالات کسی منظم اور قابل عمل صورت میں کسی بھی جگہ کلی طور پر نہیں اپنائے جاسکے۔یہی وجہ ہے کہ اس نظریہ کے بارے میں بے شمار نقطہ ہائے نظر پائے جاتے ہیں۔

فیمنزم کی اصطلاح اس قدر وسیع اور تغیر پذیر ہے کہ اس کی ان خصوصیات اور رجحانات کا جائزہ لینا ضروری ہے جو نسائیت پسندوں میں مشترک ہیں۔اس مقصد کے لیے مفکرین کے نظریات میں مشترکہ نقطہ تلاش کرنے کی ضرورت ہے جو فیمینسٹ کہلاتے ہیں اور وہ نقطہ ایک ہی ہے۔"خواتین کے حقوق کا حصول اور معاشرے کی ساخت اور درجہ بندی میں منصفانہ تبدیلی"[12] اس جدوجہد کے نظریاتی اور عملی دورخ ہیں:

1. فلسفیانہ مباحث/نظریاتی بیانیہ
2. عملی اقدامات

تحریک نسائیت کے نظریاتی و فلسفیانہ مباحث ہر دور میں ہی اہمیت کے حامل رہے ہیں۔ عملی طور پر یہ تحریک مغرب میں رونما ہوئی اور اس نے دنیا بھر کے معاشروں پر اثرات چھوڑے ہیں۔

تحریک نسائیت کے ارتقائی ادوار:

کسی بھی تحریک کا متعین شماریاتی آغاز طے کرنا مشکل امر ہے۔اس کے پس منظر میں بہت سی انفرادی قوتیں بھی کارفرماہوتی ہیں جو اس کی بنیاد قائم کرتی ہیں اور منظم صورت میں تحریک بپا کرتی ہیں اور معاشروں میں اپنے مقاصد واہداف کا تعین کرتی ہیں۔ تحریک نسائیت کی ابتدا بھی اسی طرز پر ہوئی۔ مغربی فیمینزم کے ارتقائی ادوار کولہر کے نظریہ کے طور پر بیان کیاجاتاہے۔اس انداز فکراور طرز زندگی کے تحت چار طرح کے نظریات یالہریں سامنے آتی ہیں۔ پہلا عرصہ یادورانیہ 18ویں صدی سے بیسویں صدی کے پہلے نصف حصے تک شمار کیاجاسکتاہے۔ اس دورانیے میں خواتین کے چند بنیادی مسائل کے حل کے لیے جدوجہد کاآغاز ہوا۔[13]

دوسرادورانیہ بیسویں صدی کی آخری چار دہائیوں پر مشتمل ہے۔ کیرل ہانش نے سیاسی طور پر خواتین کی آزادی کی بات کی۔[14]اور عورتوں کواس بات کااحساس دلایاکہ ان کابنیادی مسئلہ سیاسی ہے۔مختلف شعبوں میں خواتین کی شرکت اور نمائندگی سے متعلق بات کی گئ۔[15]

بیسویں صدی کی آخری دہائی کے ساتھ اکیسویں صدی کی پہلی دہائی اس اندازفکرکے ارتقائی دور کا تیسرا عہد شمار ہوتاہے۔ اس عرصے میں اس تحریک نے عملی رخ اختیار کرناشروع کیاجواب تک نظریاتی طور پر ہی آگے بڑھ رہی تھی۔ نسائی تحریک اس مرحلے پر نظریاتی اور عملی دونوں طرح سے آگے بڑھی اور کامیابیاں بھی حاصل کیں۔اس تحریک کے اغراض ومقاصد کی درست تفہیم کے لیےاس کو نظریاتی اور عملی دونوں اعتبار سے جانچنا چاہیے۔ کرسٹین ڈی پیزان پہلی خاتون تھیں جنہوں نے پندرہویں صدی میں خواتین کی جنس کے بارے میں لکھااوراگلی صدی میں ہنرچ کارنیلیس ایگروپانے خواتین کے حقوق کے دفاع کے لیے کام کیا۔[16]

نسائی تحریک کی ابتداء مغرب میں مذکورہ بالا صدیوں میں ہوئی لیکن جنگ عظیم دوم کے بعد اس تحریک میں تیزی دیکھنے میں آئی۔ برطانیہ میں تحریک نسواں کے بانی تصور کیے جانے والے میری وولسٹون کرافٹ کی 1792ءمیں شائع ہونے والی کتاب اس سلسلے میں اہم تھی جس کا عنوان تھا۔ "A vindication of The Rights of Women"[17]

1845ء میں مارگریٹ فلر نے"انیسویں صدی میں خواتین"کے نام سے انگریزی زبان میں کتاب لکھی۔[18]تین سال بعد 1848ء میں مشہور Seneca Falls کنونشن کے Declaration of Sentimentsمیں خواتین کے مساوی حقوق کا باقاعدہ مطالبہ کردیاگیا۔[19] 1869ءمیں John Staurt Millکی مشہور کتاب"The Subjection of Women"سامنے آئی۔افتخار شیروانی نے"خواتین

کی محکومیت" سے معنون ترجمہ بھی کیا۔[20] اس دور کے بعد حقوق نسواں کی تحریک میں مزید تیزی دیکھی گئی۔ مغربی معاشرے میں اس دور میں خواتین نے ازدواجی زندگی میں مساوات اور جنسی جذبات اور ضروریات کے استحقاق کے حصول کا مطالبہ کیا۔اس موضوع پر میری سلوپ نے قلم اٹھایااور Married Love کے نام سے کتاب لکھی۔اس کتاب کو جنسی تعلقات کا مینوئل کہا گیا۔ برطانیہ میں خواتین کو ووٹ کا حق 1918ء میں دیا گیا مگر ان کو مساوی ووٹ کا استحقاق 1928ء میں ملا۔[21] 1920ء میں امریکہ میں خواتین کو ووٹ کا حق ملنے کے بعد National American Women Suffrage Association کی جگہ دو تنظیمیں The League of Women Voters اور دوسری National Womens Party بنائی گئیں۔ان تنظیموں کے قیام نے بھی خواتین کی حالت میں زیادہ بہتری پیدا نہیں کی۔ عورتوں کی شمولیت مختلف شعبوں میں معیوب شمار کی جاتی تھی اور مردوں کے مقابلے میں انہیں کم اہم کاموں پر رکھا جاتا تھااور معاوضہ بھی مردوں کے مقابلے میں کم ہی ملتا تھا۔[22]

ووٹ کا حق محض ایک نشان منزل اور ایک سنگ میل تھا صنفی مساوات کے حصول کے لیے ابھی مزید جدوجہد درکار تھی۔ تحریک نسواں کا دوسرا دور اور دوسری لہر اسی جدوجہد کی عکاس ہے۔1929ء میں ورجینیا وولف کا ایک مضمون A Room of One's Own شائع ہوا۔1949ء میں فرانسیسی ادیبہ سائمن ڈی بووا کی کتاب The Second Sex سامنے آئی[23] جو نسائی تحریک نسائیت میں اہم مقام کی حامل ہے۔اس میں عورتوں کے وجود کو زیر بحث لایا گیا مثلاً یہ کہ خاتون کیا ہے؟ کیا عورتوں کا وجود ایک ذاتی حقیقت ہے یا یہ اضافی قدر ہے؟ کیا مرد کے بغیر عورت کا تشخص قائم رہ سکتا ہے؟ اگر ایسا ہے تو پھر خواتین اپنے تشخص اور وجود کے بقا کے لیے مردوں کی محتاج کیوں ہیں؟ اپنی ایک اور کتاب میں مصنفہ نے مرد اور عورت کے بارے میں بنیادی تصورات پر بات کی۔ اس نے کہا کہ مرد و خواتین کو اپنی مردانگی اور نسوانیت ثابت کرنے کی بجائے پہلے یہ ثابت کرنا چاہیے کہ وہ انسان ہیں۔ مصنفہ نے مختلف حوالوں سے عورت کے وجود کو ثابت کرنے اور اس کی اہمیت واضح کرنے کی کوشش کی۔[24]

اس کے بعد نسائی تحریک کی حامی اور ترجمان کئی تصنیفات سامنے آئیں۔اس دور میں نسائیت کی مختلف جہتیں ابھریں اور کئی مکاتب فکر نمایاں ہوئے۔ایک گروہ وہ تھا جو جنسی انقلاب کے ذریعہ سے خواتین کو آزادی اور حقوق دلانا چاہتا تھا جبکہ دوسرے گروہ نے سماجی اور معاشی مساوات کے حصول کے لیے جدوجہد کی۔[25] بیٹی فرائڈن کی 1963ء میں شائع شدہ "The Feminine Mystique" نامی کتاب نے نسائی تحریک سے متعلق متنازعہ معاملات کو جنم دیا۔[26] مصنفہ نے بچوں کی پیدائش اور گھر میں قیام کو عورتوں کی تکمیل کا ذریعہ قرار دینے

پر تنقید کی۔ اس کے مطابق اس خیال نے عورت کا تشخص تباہ کر دیا ہے۔ اس طرز فکر کے تحت وہ قید کر دی گئی اور استحصال کا شکار ہے۔[27] ان کتب کے علاوہ بھی کئی کتابیں سامنے آئیں جن میں نسائی تحریک کو کھل کر بیان کیا گیا۔ چند کتابیں درج ذیل ہیں۔

1. میری ایلمین کی کتاب "Thinking about Women (1968)[28]
2. کیٹ میلٹ کی "Sexual Politics" (1969)[29]
3. جوڈیتھ فیر رلی کی "The Resisting Reader"(1977)[30]
4. ایلین شوالٹر کی (1977) "A Literature of Their Own[31]

تحریک نسواں کے اس دور میں جن مسائل کو زیر بحث لایا گیا وہ مقاصد اور اثرات کے لحاظ سے آج بھی نہایت اہمیت کے حامل ہیں۔ خواتین کے مساوی حقوق کے لیے علمی اور عملی میادین میں کی جانے والی کوششوں کی اساس اسی مرحلے میں رکھی گئی جس کے ذریعہ مختلف معاشروں میں خاطر خواہ تبدیلیاں رونما ہوئیں۔ مردوں کی اجارہ داری پر سوال اٹھائے گئے اور خاندان میں صنفی کردار کی شناخت اور تبدیلی کا عمل شروع ہوا۔ خواتین کے سماجی کردار کو اجاگر کیا گیا۔ انھی نظریات کا گہرا اور عملی تسلسل جاری و ساری ہے۔

مذکورہ بالا تصنیفات کے منظر عام پر آنے کے بعد کے دور کو تیسرا عرصہ یا دورانیہ/لہر کہا جا سکتا ہے۔ اس عہد میں بہت سی نظریاتی ابحاث نے جنم لیا۔ نسائی تحریک کے مختلف پہلوؤں پر فکر انگیز مباحث کیے گئے۔ اس تحریک سے وابستہ ماہرین کی آراء و خیالات کا تجزیہ کیا گیا اور اس تحریک کو مزید وسعت دی گئی۔[32]

1991ء میں امریکہ میں جنسی ہراسانی کا ایک واقعہ رونما ہوا جس نے تیسرے مرحلے کی تحریک کو بنیاد فراہم کی۔ ایک خاتون انیتا ہل نے امریکی سپریم کورٹ کے نامزد جج کلیرنس تھامس پر الزام لگایا کہ اس نے مجھے ہراساں کیا ہے۔ کلیرنس تھامس نے الزامات کو مسترد کر دیا۔ اس پر امریکی سینیٹ میں زبردست مباحثہ ہوا اور رائے شماری ہوئی جس کے نتیجہ میں کلیرنس تھامس کو 48 کے مقابلے میں 52 ووٹوں سے فتح حاصل ہوئی۔ اس فیصلے کے رد عمل میں ربیکا واکر نے Becoming The Third Wave کے عنوان سے مضمون لکھا اور اپنے آپ کو تیسری لہر کی نسائیت پسند کہا۔[33]

بعد ازاں ربیکا اور شانون لز نے (Third Wave Direct Action Corporation) کی بنیاد رکھی۔ اس کے ذریعہ سے ان دونوں نے خواتین کو دعوت دی کہ وہ اپنے مسائل پر بات کریں اور عمل کی دنیا

میں آئیں۔ تولیدی آزادی کا نعرہ لگایا، خواتین کو ایک مستقل گروہ قرار دیا اور مختلف معاشرتی مسائل پر الگ سے مؤقف اختیار کیا۔

اس تیسری لہر میں تحریک کے امور کی انجام دہی کے لیے (Third Wave Found) کے نام سے فنڈ قائم کیا گیا جو بعد ازاں (Third Wave Foundation) بنا۔ اس فاؤنڈیشن نے خواتین کی تولیدی صحت کے مسائل کو اجاگر کیا۔ مختلف پیشہ وارانہ اداروں میں خواتین کی شمولیت کو یقینی بنانے کیلیے اقدامات کیے اور تعلیمی ترقی کے لیے کام کا آغاز کیا۔[34] تیسرے مرحلے میں بھی تحریک نسواں کو ایسی خواتین کی قیادت ملی جو پر جوش ہونے کے ساتھ ساتھ نمایاں ذہنی و فکری صلاحیتیں رکھتی تھیں۔ اس مرحلے میں تحریک کے فکری اور نظری بیانیہ کو وضاحت سے عام کیا گیا۔ ان خواتین نے عمل کے میدان کے ساتھ ساتھ قلم کا استعمال بھی بخوبی کیا۔ ان کے بیانیہ نے ساختیاتی نظریہ کو چیلنج کر کے نسائی نظریات کو تقویت دی علم کے فروغ، تجدید اور احیاء میں اس پیش رفت نے نئے زاویے متعارف کرائے۔ اس لہر کے دوران خواتین نے معاشرے میں اپنے مقام کے حوالے سے بنیادی اور انقلابی نظریات اور تصورات متعارف کرائے۔ انہوں نے خواتین کی سیاسی پیش رفت پر توجہ دی اور صنفی بنیادوں پر امتیازی سلوک و قوانین کو کئی حوالوں سے پہلی بار حقیقی معنوں میں چیلنج کیا اس لہر میں مغربی طرز زندگی اور تہذیب و تمدن میں نمایاں تبدیلیاں دیکھنے میں آئیں۔ اسی دور میں تحریک نسواں نے خود کو اقوام عالم میں زیادہ بہتر انداز میں متعارف کرایا۔ اور اس کے اثرات مشرق وسطیٰ اور افریقہ کے مسلم معاشروں میں نمایاں طور پر مرتب ہوئے جہاں لبرل ازم کے زیر اثر تغیرات رونما ہوئے۔[35]

نسائی تحریک کا چوتھا دور اکیسویں صدی کی دوسری دہائی میں شروع ہوا۔ اس دور میں خواتین کے حقوق کے تحفظ اور ان کے استحصال کے خلاف جدید ذرائع ابلاغ کو استعمال کیا گیا۔ یہ دور ''می ٹو'' تحریک کے نام سے مشہور ہوا۔ نسائی مفکر کیرا کوچران کے مطابق یہ دور "ٹیکنالوجی کا زمانہ" ہے جس میں فیس بک، ٹویٹر اور انسٹا گرام وغیرہ کو خواتین کے حقوق سے متعلق شعور بیدار کرنے کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔ اس دور میں خواتین کے مسائل مثلاً کام کرنے کے دوران جنسی ہراسانی اور اس طرح کے دیگر جرائم کے خلاف آواز اٹھائی جاتی ہے۔ اس دور میں جنسی ہراسانی اور قتل کے ایسے مختلف واقعات رونما ہوئے جنہوں نے اس تحریک کو جاری و ساری رکھا۔ اسلا وسٹا قتل Isla Vista Killings، جیان گھومشی Gian Ghomeshi کے مقدمے کا ٹرائیل، ویسٹ منسٹر جنسی اسکینڈل اور ہاروے وائنسٹائن Harvy Weinstein اس کی چند مثالیں ہیں۔[36]

جدیدیت اور عالمگیریت کے اس عہد میں کوئی نظریہ ایسا نہیں جس کا تعلق دیگر علوم و فنون سے استوار نہ ہو۔ دور حاضر میں نسائی تحریک کے اثرات دوسرے علوم پر بھی دیکھے جا سکتے ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ یہ تحریک بھی دوسرے علوم و فنون سے متاثر بھی ہوئی ہے جس سے یہ تحریک کئی شاخوں میں تقسیم ہو گئی ہے۔ مثلاً خواتین کے وجود سے متعلق بحث کو دیکھ لیں تو سوال اٹھایا گیا کہ خاتون پیدا ہوتی ہے یا اسے بنا دیا جاتا ہے؟ اس حوالے سے نسائی مفکرین کی دو آراء سامنے آتی ہیں۔ ایک رائے یہ ہے کہ صنفی تقسیم خالصتاً سماجی عمل ہے۔ معاشرتی رسوم و رواج اور خیالات مرد اور عورت میں فرق تخلیق کر دیتے ہیں اور مرد بالادست معاشرہ اس فرق کو قائم و دائم رکھتا ہے اور اس کو مزید گہرا کرتا ہے۔ اس کے نتیجے میں بہت سے استحصالات کیے جاتے ہیں۔[37] ان مختلف آراء کی وجہ سے ہی نسائی تحریک کی کئی جہات سامنے آئی ہیں۔ تاہم یہ سب جہات کلی طور پر ایک دوسرے سے متفاوت نہیں ہیں۔ مختصراً ان اقسام کا تعارف پیش کیا جا رہا ہے۔

1۔ مارکسٹ فیمنزم: Marxist Feminism

مارکسی نقطہ نظر رکھنے والے مرد و خواتین کے مطابق خواتین کی مظلومیت کا ذمہ دار سرمایہ داری نظام ہے۔ ان کے نزدیک خواتین کا بحیثیت ماں اور خاتون خانہ کے کام کرنا اصل میں استحصال کا باعث ہے کیونکہ اس کام کا اسے کوئی معاوضہ نہیں ملتا۔ سماجی نسائیت پسند تخلیق دولت میں کردار کو خواتین کا استحصال گردانتے ہیں جب کہ انقلابی نسائیت پسند بچوں کی پیدائش کو استحصال کا ذریعہ سمجھتے ہیں۔ اس فکر کے حامل نسائیت پسند متعین اجرت کو بھی خواتین کا استحصال قرار دیتے ہیں۔ اس کے کام کی کم مائیگی کی وجہ سے انفرادی ملکیت وجود میں آئی اور نتیجہ ذرائع پیداوار کی عدم ملکیت کی صورت میں واضح ہوا اور یوں وہ اختیارات کے مراتب سے محروم رہ گئیں۔[38]

سرمایہ دارانہ نظام کے آغاز و ارتقاء کے عہد میں مارکسی نسائی ماہرین خواتین کے استحصال کے مسئلے پر انقلابی نسائیت پسندوں سے متفق ہیں لیکن وہ طبقہ اشرافیہ کی خواتین اور غریب خواتین کے درمیان تفاوت پر مضطرب ہیں۔ یہ ماہرین اشتراکی معاشرے کے قیام کو اس کا حل گردانتے ہیں۔ ایسا معاشرہ جہاں ذرائع پیداوار اجتماعی ملکیت ہوں اور کسی کے استحصال نہ کیا جا سکے۔ انقلابی نسائیت پسند اس سے اتفاق نہیں کرتے اور استحصال کے اسباب مختلف اور اس کے حل کو مختلف سمجھتے ہیں۔ ان کے مطابق سرمایہ دارانہ معاشرے میں جمہوری طرز عمل کے نتیجہ میں ہی صنفی مساوات کے اصول کو حاصل کیا جا سکتا ہے اس لیے جمہوری عمل کا ساتھ دینا ضروری ہے۔

اینگلز نے صنفی عدم مساوات کی معاشرتی حیثیت پر خصوصی بحث کی۔ اس نے اپنی کتاب "The origin of the family private property and state" میں انسان کے معاشرتی ارتقاء کے مختلف

مدارج کا تذکرہ اور خواتین کی حیثیت کا تعین کیا ہے۔ اس کے خیال میں ابتدائی معاشرتی مرحلے میں خواتین کو بہتر مرتبہ و مقام حاصل تھا۔ اس دور میں تقسیم کار موجود تھی۔ مرد باہر سے خوراک کا انتظام کرتا تھا اور خواتین گھر داری کی تنظیم کرتی تھیں لیکن وہ مرد کے ماتحت نہ تھیں۔ انفرادی ملکیت بھی بالکل ابتدائی شکل میں تھی جو چند ابتدائی قسم کے اوزاروں پر مشتمل تھی اور وہ بھی خواتین کے ذریعے اگلی نسل میں منتقل ہوتی تھی۔ اس عہد میں جس میں تہذیب و تمدن بہتر ہوا اور زوجگی مستحکم ہوئی تو اس میں مرد نے خاندان پر تسلط حاصل کر لیا۔ اس خاندان کو وہ پدر شاہی خاندان کا نام دیتا ہے۔[39] الغرض سوشلسٹ نسائی مفکرین مارکسی نظریات کو خواتین کے حقوق میں رکاوٹ سمجھتے ہیں۔ خواتین سے متعلق مسائل سیاسی اور معاشی مسائل سے جڑے ہوئے ہیں۔ اقتصادی وسائل کی ناانصافی پر مبنی تقسیم اس قسم کے مسائل کو اور زیادہ بڑھاتی ہے۔ اگر اقتصادی ذرائع اور پیداواری وسائل کو مردوں اور عورتوں کے درمیان انصاف کے ساتھ تقسیم کر دیا جائے تو یہ خواتین کے مسائل کے حل میں معاون ہو گا۔[40]

2۔ ریڈیکل/انقلابی فیمنزم: Radical Feminism

انقلابی نسائی مفکرین کا خیال ہے کہ خواتین کے مسائل کا تعلق طبقاتی نظام سے بالکل نہیں ہے۔ مرد بالادست معاشرہ ہی خواتین کے مسائل کی سب سے بڑی وجہ ہے۔ عورتوں کے مسائل کے حل کے لیے معاشرتی تعمیر و ترقی کی ضرورت ہے۔ لوگوں میں شعوری بیداری کی ضرورت ہے۔ یہ مفکرین چونکہ معاشرے کی ناہمواری اور سوچ میں عدم مطابقت کو خواتین کے مسائل کی وجہ قرار دیتے ہیں اس لیے اس تحریک کو بعض دفعہ سماجی نسائیت کا نام بھی دیتے ہیں۔[41] ان کے مطابق معاشرتی خدوخال میں بنیادی تبدیلیاں ہی ان کے مقاصد کے حصول میں معاون ہو سکتی ہیں۔ ان کا یہ بھی خیال ہے کہ مرد عورت کے درمیان تفریق سماجی عمل کے نتیجے میں پیدا ہوتی ہے جس کو ختم کرنے کی ضرورت ہے۔ ریڈیکل نسائی مفکرین میں سے ایک گروہ کا خیال ہے کہ چونکہ نسائی تحریک عورتوں کے حقوق کی جنگ ہے اس لیے مرد کبھی اس تحریک میں عورتوں کے شانہ بشانہ نہیں چل سکتے۔[42] عورتوں کے اپنے حقوق کے لیے خود ہی کوششیں کرنا ہوں گی کیونکہ مرد کبھی بھی اپنی بالادستی کے خلاف عورتوں کا ساتھ نہیں دیں گے۔

خواتین کے بارے میں یہ ایک انتہا پسندانہ نظریہ ہے۔ انقلابی نسائیت کا نظریہ رکھنے والے لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ مرد نے خواتین کا استحصال کیا ہے۔ اسے اختیارات کی حیثیت سے محروم رکھا گیا ہے اس لیے وہ محکوم ہے اور مرد حاکم ہے۔ اس لیے معاشرے پدر سری ہیں۔ تاہم اس حلقے میں خواتین کے استحصال کی بنیاد اور اس کے ممکنہ حل کے بارے اتفاق نہیں پایا جاتا۔ کچھ انقلابی نسائیت پسند رہنما جیسے شلامتھ فائیر سٹون کی نظر میں خواتین کے استحصال کا

بنیادی سبب حیاتیاتی ہے۔[43] خاص طور پر جنم دینے کی صلاحیت جبکہ بعض دوسرے لوگ مرد کی حاکمیت کو کلچر کی پیداوار سمجھتے ہیں۔ آزادی نسواں کی اس تحریک میں وہ مردوں سے کسی قسم کی بھی مدد لینے کے خلاف ہیں۔ علیحدگی پسند نسائیت پسند گروہ کااستدلال ہے کہ خواتین کو مردانہ غلبہ والے معاشرے سے الگ اور آزادانہ طور پر اپنے آپ کو منظم کرناچاہیے۔

انقلابی نسائیت پسند گروہ کے مطابق صرف ہم جنس پرست خواتین ہی صحیح معنوں میں نسائیت پسند ہیں کیونکہ صرف وہی مردوں کے بغیر صحیح معنوں میں آزاد ہیں۔ اکثر انقلابی نسائیت پسند، اشتراکی اور لبرل نسائیت پسندوں کی اس رائے سے اتفاق کرتے ہیں کہ معاشروں کو برابری کی سطح پر منظم کیا جانا چاہیے۔ اس مکتب فکر میں وحدت خیال نہیں بلکہ اس کے اسباب وتاریخ کے سلسلے میں تعبیر کا تنوع پایا جاتا ہے۔ ذیل میں چند ایک تعبیرات کو پیش کیا جاتا ہے۔

انقلابی نسائیت کے نظریہ میں خواتین کی مظلومیت اور محکومیت کو جارحانہ انداز سے پیش کیا گیا۔ کئی خواتین مصنفات نے اس موضوع پر قلم اٹھایا ہے۔ انقلابی نسائیت نظریے کو شلامتھ فائیر سٹون نے مستحکم انداز میں پیش کیا۔ اس کی کتاب"The Dialectics of Sex" 1970ء میں شائع ہوئی جس میں اس نے نسوانی عدم مساوات کو پہلی مرتبہ پیش کیا۔ اس کے نزدیک خواتین کی محرومی کا سبب اس کا جنسی استحصال ہے۔ اس کتاب میں اس نے جنسی استحصال، جنسی طبقاتی نظام اور حیاتاتی خاندان جیسی اصطلاحات متعارف کرائیں جو نسائیت پسندانہ تحریک کے مقبول نعرے ہیں۔ یہ اصطلاحیں اگرچہ انقلابی نسائیت پسندی کے نظریاتی پس منظر میں تخلیق کی گئی تھیں لیکن انہیں نسائیت پسندی کے ہر مکتب فکر کے افراد نے استعمال کیا۔ اس کے خیال میں جنسی تسلط خواتین پر ظلم کی بنیادی شکل ہے۔ فائیر سٹون اس اشتراکی تصور کورد کرتی ہے کہ استحصال کا سبب معاشی تفاوت اور انفرادی ملکیت ہے۔ ان کے نزدیک جنسی طبقاتی نظام عمومی طبقاتی نظام پر مقدم ہے اور مرد اور خواتین تخلیقی طور پر مختلف ہیں۔ تقسیم کار اور عدم مساوات براہ راست حیاتیاتی حقیقت کا نتیجہ ہے۔ حیاتیاتی تفاوت نے وہ معاشرتی تنظیم تخلیق کی ہے جسے وہ حیاتیاتی خاندان کا نام دیتی ہے۔

خواتین حیاتیاتی طور پر کمزوریوں کا شکار ہے۔ حمل اور رضاعت کے دوران خواتین کا مرد پر انحصار بڑھ جاتا ہے اس لیے اس کو مرد کی مدد کی ضرورت ہوتی ہے۔ مرد پر خواتین کے انحصار نے اختیارات کے ایک غیر متوازن رشتے اور اختیارات کی خصوصی نفسیات کو جنم دیا۔ حیاتیاتی خاندان کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ یہ ہر قسم کی عدم مساوات کے لیے بنیاد فراہم کرتا ہے۔ مرد اپنی طاقت اور خواتین پر اختیارات سے لطف اندوز ہوتا ہے اور اپنے غلبے کو

وسعت واستحکام دیتا ہے۔ جنسی طبقاتی نظام بنیادی فریم ورک مہیا کرتا ہے جس پر معاشی طبقاتی تقسیم کا دار و مدار ہے۔ معاشی طاقت کی بنیاد پر تمام کمزور طبقات کو مغلوب کیا گیا۔ فائیر سٹون کی رائے میں صنفی طبقاتی نظام تمام استحصالی نظاموں کے لیے ماڈل کی حیثیت رکھتا ہے اور جب تک یہ ختم نہیں کر دیا جاتا اس وقت تک حقیقی انقلاب نہیں آسکتا۔[44]

انقلابی نسائیت کے حلقہ میں اور ٹنر (Ortner)[45] نے اس عدم مساوات کو سماجی و ثقافتی پیمانوں سے پیش کیا ہے۔ شیری اور ٹنر فائیر سٹون کے ساتھ اس حد تک تو متفق ہیں کہ خواتین عالم کم مایہ اور ظلم رسیدہ ہیں لیکن اس کے نزدیک اس کا سبب حیاتیاتی نہیں بلکہ حیاتیات کی تعبیر سے ہے اور اس تعبیر کا تعلق کسی معاشرے کی تہذیب و اقدار سے ہوتا ہے۔ حیثیت کے تعین کے دو پیمانے ہیں ایک فطرت اور دوسرے کلچر مختلف معاشروں میں فطرت کی بجائے تہذیب و تمدن کو زیادہ اہمیت دی گئی ہے۔ کلچر ہی وہ ذریعہ ہے جس سے انسان فطرت کو کنٹرول بھی کرتا ہے اور منضبط بھی۔ تہذیب ہی وہ مہارت ہے جس سے انسان نے فطرت کو بدلتا اور منضبط کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ اس کے مطابق تہذیب و تمدن نظریہ اور ٹیکنالوجی ہی کا دوسرا نام ہے۔ لہذا اسے فطرت پر تفوق حاصل ہے۔ خواتین فطرت کے قریب ہیں اس لیے مرد سے کمتر ہیں۔ وہ اپنے نقطہ نظر کی وضاحت میں چار بنیادی نکات بیان کرتی ہے۔ اور ٹنر کے مطابق یہ بات مسلم ہے کہ خواتین فطرت کے قریب تر ہیں کیونکہ ان کی جسمانی ساخت اور نفسیاتی عوامل اس فطری طریقہ سے قریب ہے جن کا تعلق تخلیق نوع سے ہے۔ ماں کی حیثیت سے خواتین کا معاشرتی کردار بھی فطرت کے قریب تر ہونے کی دلیل ہے۔ خواتین ہی بنیادی طور پر بچوں کو اجتماعیت کا شعور عطا کرتی ہے۔ ماں چونکہ خاندان سے جڑی ہوتی ہے اور خاندان دوسرے اداروں کی نسبت فطرت کے قریب تر ہوتا ہے اس لیے خاتون فطرت کے قریب ہوتی ہے۔ اور ٹنر یہ نتیجہ اخذ کرتی ہے کہ خاتون اپنے حیاتیاتی وجود، نفسیاتی عمل، معاشرتی کردار اور نفسیات کے باعث کلچر اور فطرت کے درمیان معلق نظر آتی ہے۔

کلچر کی برتری اور فطرتی کمزوری کے جس تصور پر آر ٹنر نے اپنے استدلال کی بنیاد رکھی ہے وہ ہمیشہ کے لیے صحیح نہیں۔ فطرت کی برتر قوت کے کئی اظہار ہیں جنہیں مختلف معاشروں نے قبول کیا ہے اور فطرت کی بعض طاقتوں کو کنٹرول کرنے کے یہ معنی نہیں ہیں کہ فطرت کمتر ہے تاہم اس تجزیے نے مغرب میں بعض رویوں کو متعین کرنے میں اہم کردار ادا کیا ہے۔

ماہر بشریات مشعل روسالڈو[46] نے خواتین کی محکومی کا سبب دائرہ کار کی تقسیم قرار دیا ہے۔ اس کا خیال ہے عملی زندگی میں گھر اور باہر کے دائرہ کار کی تقسیم ہوئی جسے گھریلو اور خارجی زندگی کا بھی نام دیا جاسکتا ہے۔ اس کا خیال

ہے کہ یہ دو واضح معاشرتی دائرہ کار ہیں۔ وہ خواتین کی حیاتیاتی کمزوری کو تسلیم کرتی ہے لیکن اسے سبب نہیں قرار دیتی بلکہ اور ٹنر کی طرح حیاتیات کی تعبیر کو وجہ قرار دیتی ہے لیکن اس کی تعبیر اور ٹنر سے مختلف ہے۔ اس کا خیال ہے کہ دائرہ کار کی تقسیم نے دراصل خواتین کی محکومی پر مہر ثبت کی ہے۔ اس تعبیر نے اسے بچوں کی پرورش سے جوڑ دیا ہے اور یوں اس کا دائرہ کار محدود ہو گیا ہے۔[47]

کسی انسانی معاشرے میں مکمل صنفی مساوات نہیں ہے تاہم خواتین کسی حد تک ہی مساوات حاصل کر سکتی ہیں۔ نسائیت پسند مہم کا حصہ ہے کہ مرد کو گھریلو ذمہ داریوں میں شامل کیا جائے۔ دائرہ کار کی اس تقسیم کی اہمیت کو تسلیم کیا گیا تاہم یہ ایک مکمل تعبیر نہیں۔ خارجی دنیا میں خواتین کی سرگرمیوں کی حوصلہ افزائی کے باوجود اسے کمتر سمجھا جاتا ہے اور ان کی خدمات کو کم اہم گردانا جاتا ہے۔ اس لیے صرف دائرہ کار کی بات نہیں معاملات اس سے گھمبیر ہیں کیونکہ گھریلو اور عوامی دائرہ ہائے کار ایک دوسرے سے پیوست ہیں۔[48]

مذکورہ بالا تعبیرات کا جائزہ لیا جائے تو واضح ہے کہ اصل بات حیاتیاتی ہے۔ قدرت نے خواتین کو خاص حیاتیاتی اور معاشرتی کردار کے لیے پیدا کیا ہے۔ یہ اس کی کمزوری بھی ہے اور قوت بھی۔ کمزوری اس لیے کہ وہ خارجی دنیا کی جفاکشی کی متحمل نہیں اور قوت اس لیے کہ تخلیق، تربیت اور اجتماعیت میں جو کردار وہ ادا کر سکتی ہے وہ مرد کے بس کی بات نہیں۔ اگر اسے حیاتیاتی و اجتماعی کردار سے محروم کر دیا جائے تو معاشرتی فساد پیدا ہو گا جس کا کوئی علاج ممکن نہیں۔ مغرب اس فساد کا شکار ہے لیکن اپنی ہٹ دھرمی کی وجہ سے تباہی کی راہ پر دوڑ رہا ہے۔ حیاتیات یا اس کی تعبیر ایک حقیقت کی نشاندہی ہے لیکن اس سے جو نتائج نکالے گئے ہیں وہ تعصب، تنگ نظری اور مسخ شدہ ذہنیت کی عکاسی کرتے ہیں۔ خواتین کی محکومی کا علاج فطرت اور اجتماعی اصولوں کے خلاف بغاوت میں نہیں ہے بلکہ اس کے عادلانہ نظام میں ہے جس میں مرد و خواتین ہدایت ربانی کی روشنی میں اعتدال و توازن کے ساتھ اپنا کردار ادا کریں اور ایک دوسرے کے حقوق پامال نہ کریں۔

3۔ لبرل/آزاد خیال فیمنزم: Liberal Feminism

لبرل ازم مغربی تہذیب کی اصولی بنیادوں میں سے ایک نظریہ ہے۔ امریکی اعلان آزادی میں تین حوالے دیے گئے ہیں جن سے امریکی زندگی اور طرز زندگی کی وضاحت کی گئی ہے۔ زندگی، آزادی اور خوشی کا حصول اس طرز زندگی کا منشور ہے۔[49] آدمی آزاد ہے خواہ وہ مرد ہو یا خاتون۔ اس کی آزادی غیر مشروط، غیر محدود اور ناگزیز ہے۔ اس کی زندگی میں انفرادیت اور خوشی میں کلام نہیں کیا جا سکتا۔ لبرل نسائیت پسند گروہ کے ہاں نسائی نظریات کا کوئی مرتب مجموعہ نہیں اس لیے وہ انقلابی اور اشتراکی نظریات سے قدرے مختلف ہیں۔ ان کا ہدف صنفی مساوات کا حصول

ہے اور ان کے خیال میں معاشرے میں معاشی، معاشرتی اور سیاسی تبدیلی کا ایک تدریجی عمل کام کرتا ہے۔اس کے اندر سر گرم رہنا چاہیے اور اسی کے ذریعہ مقاصد حاصل کرنے چاہیئں۔ یہی وجہ ہے کہ اس گروہ کے خلاف مغرب میں کوئی رد عمل نہیں۔ اس گروہ کا خیال ہے کہ صنفی عدم مساوات سے معاشرے کو کوئی فائدہ نہیں پہنچ رہا۔کچھ باصلاحیت خواتین معاشرے اور خاندان کی فلاح میں کوئی کردار ادا نہیں کر سکتیں کیونکہ انہیں موقع نہیں ملتا اور بعض مواقع پر مرد اپنے بچوں سے مضبوط تعلق نہیں رکھ پاتے کہ وہ بے حد مصروف ہوتے ہیں۔ ان کے نزدیک عدم مساوات کا تعلق اداروں اور معاشروں سے نہیں بلکہ تہذیبی روایات اور انفرادی رویوں سے ہے۔ مرد وخواتین کے متعین معاشرتی کردار نے ان سے محدود اور بے لچک توقعات وابستہ کی ہیں اس لیے معاشرتی امتیازات نے خواتین کو برابر مواقع سے محروم کر دیا ہے۔ لبرل نسائیت پسندوں کے نزدیک تعلیم اور ملازمتوں کے مساوی مواقع وہ اہداف ہیں جنہیں حاصل کرنا چاہیے۔ وہ ان مقاصد کے حصول کے لیے قانون سازی اور رویوں کی تبدیلی کے لیے صلاحیتیں صرف کرتے ہیں۔انہوں نے قرار دیا کہ حمل خواتین کا حق ہے اس کے تولیدی حقوق سے اسے محروم نہیں کیا جا سکتا۔اس کے انسانی حقوق کسی صورت میں یا معطل نہیں کیے جا سکتے۔ اسے تعلیم حاصل کرنے، ووٹ دینے، انتخاب لڑنے اور اقتدار میں آنے کے حقوق حاصل ہیں۔اسے اجرت مرد کے مساوی ملنی چاہیے۔اسے ہر طرح کے جنسی تشدد، ہراساں کیے جانے اور گھریلو تشدد سے نجات چاہیے۔ وہ انقلابی تبدیلیوں کی بجائے موجودہ معاشرتی نظم کے اندر جمہوری طریقہ پر کام کو ترجیح دیتے ہیں۔

لبرل نسائی تحریک اور اس کے معاونین کا ماننا ہے کہ کلی طور پر مردوں کی مخالفت سے اس تحریک کو کامیاب نہیں بنایا جا سکتا۔اس لیے تحریک کو اس نہج پر نہ چلایا جائے کہ مرد اسے مکمل طور پر اپنے خلاف گردانیں بلکہ عورتوں کو چاہیے کہ وہ اس سلسلے میں مردوں کی حمایت حاصل کرنے کی کوشش کریں۔ اس لیے ضروری نہیں ہے کہ معاشرے میں بنیادی تبدیلیاں پیدا کر کے ہی تحریک کو کامیاب بنانے کی کوشش کی جائے بلکہ موجودہ معاشرتی ڈھانچے کے ساتھ ہی بہتری کی کوشش کرنی چاہیے۔[50]

4۔پوسٹ کلونیل فیمنزم/مابعد نوآبادیاتی نسائیت: Postcolonial Feminism

مابعد نوآبادیاتی نسائی تحریک ان خطوں میں پروان چڑھی جن پر نوآبادیاتی تسلط قائم رہا۔ مشرقی نسائی مفکرین کے خیال میں ان ممالک میں خواتین کے حقوق کے استحصال میں مغربی ممالک کا کردار ہے۔ ان کے مطابق مغربی نسائی مفکرین اپنے نظریات مشرقی ممالک میں لاگو کرنا چاہتے ہیں حالانکہ مشرقی اور مغربی تہذیب میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ مختلف سماجی اور سیاسی معاملات میں بھی دونوں خطوں میں فرق ہے۔ مغرب ابھی تک اپنی بالادستی کے خاتمے

کو تسلیم کرنے کو تیار نہیں ہے اور اپنے نظریات نو آبادتی دور کی طرح لاگو کرنا چاہتا ہے۔ اس لیے مشرقی نسائیت پسند خواتین کے حقوق کے تحفظ کے ساتھ ساتھ مغربی بالا دستی کے خلاف بھی مزاحمت کرتے نظر آتے ہیں۔[51] مابعد نو آبادیاتی نسائیت نے مذکورہ بالا نسائیت کے تمام مکاتب فکر کے نظریات سے استفادہ کیا اور مقامی نظریہ و عمل کے تناظر میں نسائی فکر کی تفہیم میں اہم کردار ادا کیا۔

5۔اسلامک فیمینزم/اسلامی نسائیت: Islamic Feminism

مسلم معاشروں میں نسائی فکر و تحریک سے متعلق گزشتہ کچھ عرصے سے نیا رجحان سامنے آیا ہے۔اس رجحان کے مطابق قرآن وحدیث کی نئی تعبیر و تشریح کے ذریعے خواتین کے حقوق کا تحفظ کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ نسوانیت سے متعلق اسلامی نصوص کی نئی تشکیل کرنے کے لیے جدید تعبیر و تشریح سے مدد لی جاتی ہے۔ اسلامی نسائی مفکرین کے مطابق اسلامی نصوص کی تشریح مردانہ بالادستی کے تحت کی گئی ہے جس کی وجہ سے اسلامی معاشرے میں پدر سری سوچ غالب ہے۔[52]

اسلامی نسائی تحریک نے بیسویں صدی میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ اور ایک ایسا بیانیہ تشکیل دیا گیا ہے جس کا مقصد نسائی بیانیے کا تعلق مذہب سے ثابت کرنے کی کوشش کرنا ہے۔[53] اس میں مختلف شعبہ ہائے زندگی میں خواتین کی فعال شرکت اور ایسے امور میں خواتین کی نمائندگی کی بات کی جارہی ہے جس پر صرف مردوں کا حق تسلیم کیا جاتا ہے۔ مثال کے طور پر بطور امامہ و خطیبہ خواتین کو متعارف کرانے کی کوشش کی گئی۔ ان مفکرین کا خیال ہے کہ عورتوں کو بھی حق ہے کہ وہ اسلامی نصوص کی تعبیر و تشریح کریں۔ اسلامی حقوق نسواں کا نظریہ ہے کہ مغربی تحریک نسائیت مسلمان خواتین کی خواہشات کی نمائندہ تحریک نہیں ہے۔ دوسری بات یہ کہ مسلمان خواتین کو ان کے حقوق عطا ہوئے ہیں لیکن مسلم معاشروں میں پدرانہ ڈھانچے اس سے انکار کرتے ہیں۔ اجتہاد اس تعبیر نو کا ایک اہم عنصر ہے جو ترقی پسند اسلامی صنفی نظریہ اور طرز عمل کی بنیاد ہے۔

اسلامی نسائیت کا ایک مطالبہ یہ ہے کہ مسلم خواتین کے بارے میں دقیانوسی تصورات کو ختم کیا جائے۔ اسلامی نسائیت خیالات کا ایک مربوط مجموعہ بھی ہے اور عملی اقدام کا عملی منصوبہ بھی، جس کی جڑیں خواتین کی فلاح و بہبود سے منسلک ہیں۔ اسی طرح اسلامی نسائیت ایک اصلاحی تحریک ہے جو معاشرتی زندگی کے تمام شعبوں میں مسلمان خواتین کو شامل کرنے، اسلام کے بارے میں خرافات اور غلط فہمیوں کو ختم کرنے کے لیے کام کرتی ہے۔ اسلامی نسائیت کا خیال ہے کہ مردانہ سالاریت کے لیے قرآن کی روائتی اور قدیم ترجمانیوں کو اجاگر کیا گیا ہے۔ ان کا موقف ہے کہ مفتیان، شیوخ اور ملاؤں سے ہم جو ترجمانی سنتے ہیں وہ غیر متعصب عمل نہیں بلکہ مذہب کے نام پر

مردانہ رائے کو قانونی حیثیت دینے کی خوشگوار کوشش ہیں۔ اسلامی نسائیت کے ابتدائی نظریہ نگاروں کو مذہبی نصوص کی متبادل تعبیرات فراہم کرنے والے رجحانات کی وجہ سے تنقید کا نشانہ بنایا گیا کیونکہ وہ پدرانہ سوچ کے خلاف تھے۔ نیز مسلم معاشروں میں ایسے لوگ بھی موجود ہیں جو اسلامی نسائیت کو ایک مغرب پسند اور آزاد خیال تحریک سمجھتے ہیں جس کا اسلام میں کوئی مقام نہیں ہے۔ یہ صرف مسلمان خواتین ہی نہیں ہیں جو صرف مذہب کے ذریعہ نسائی نظریات کو متحرک کرتی ہیں۔ دنیا کے دیگر بڑے مذاہب نے بھی ایسا ہی کیا ہے لیکن بنیادی طور پر مغربی حقوق نسواں سیکولر رہا ہے اور مغربی معاشروں میں مذہب کا کردار اتنا مضبوط نہیں رہا جتنا مسلم معاشروں میں اس کو اہمیت حاصل رہی ہے۔[54]

اسلامی نسائیت پسند خواتین کی اقسام:

مسلم نسائی مفکرین میں شامل خواتین کو چار اقسام میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔

1۔ پہلی قسم کی وہ مسلم خواتین ہیں جن پر نسائیت کے پہلے دو عالمی ادوار کا اثر نظر آتا ہے۔ ان کا خیال تھا کہ مسلم خواتین کو تعلیم یافتہ اور باشعور بنا کر ان کے حقوق سے متعلق ان میں بیداری پیدا کی جاسکتی ہے۔

2۔ دوسری قسم کی وہ مسلم خواتین ہیں جو اپنے مسلم معاشرے کے غیر منصفانہ رویے سے دلبرداشتہ ہو کر نسائی تحریک سے وابستہ ہوئیں۔ اس گروہ میں مذہب سے بیزار خواتین بھی شامل ہیں، انتہائی روشن خیال اور سیکولر نظریات کی حامل خواتین بھی ہیں اور کچھ مذہبی قسم کی خواتین بھی شامل ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ مسلم معاشرے کے مردوں نے ان کے حقوق چھین لیے ہیں۔ مسلم نسائی تحریک کے بنیادی نظریات کا ماخذ یہی خواتین ہیں۔

3۔ تیسری قسم کی وہ خواتین ہیں جن کا ماننا ہے کہ پدرسری معاشرے کے مردوں نے اسلامی نصوص کی تشریح اس طرح سے کی ہے کہ وہ مردانہ بالادستی کو قائم رکھتی ہے۔ مسلم معاشرے کے علماء نے شریعت سے ہی اپنی بالادستی کے ذرائع تلاش کر لیے ہیں۔ ان خواتین کا مطالبہ ہے کہ اسلامی احکام کے اطلاق میں صنفی فرق کو ملحوظ نہ رکھا جائے۔ ان خواتین میں زیادہ وہ خواتین ہیں جو کسی نہ کسی طرح سیکولر نسائی تحریک سے وابستہ ہیں۔

4۔ بعض مسلم نسائی مفکرین کا خیال ہے کہ قرآن و حدیث میں صنفی مساوات کے بہت سے اشارات موجود ہیں۔ اس لیے نسائی تحریک کے لیے مغربی نسائی تحریک یا کسی اور جگہ سے نظریات اخذ کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ خواتین اسلامی اقدار کی پابندی کو ضروری سمجھتی ہیں۔۔ اس گروہ کی خواتین روشن خیالی اور آزاد خیالی کو زیادہ

اہمیت نہیں دیتی ہیں۔ان کے نزدیک اسلامی احکام کے اندر رہتے ہوئے صنفی عدم مساوات کے خلاف مزاحمت کی جاسکتی ہے۔ان کے مطابق اسلامی احکام کی درست تعبیر و تشریح ہی ان کے حق میں بہتر ہے۔

خلاصہ کلام:

- تحریک نسائیت کے تاریخی تجزیہ سے عیاں ہے کہ آغاز سے عہد حاضر تک اس کے اہداف میں تغیر کی بنیاد پر مختلف اقسام کی صورت میں اس کا اظہار ہوتا رہا ہے مگر اس کی ہر تبدیلی کا بنیادی محرک خواتین کو استحصال و استبداد سے نجات دلانا تھا۔مزید براں حقوق کی اس جدوجہد میں حاصل ہونے والی ہر کامیابی نے منزل کی جانب ایک سنگ میل کا کردار ادا کیا اور اس سفر میں کئی علوم و نظریات کی تعبیر نو کرتے ہوئے نئے زاویے اور مطالب دیے۔
- تحریک نسائیت مختلف الجہت اور کثیر الثقافتی تصور ہے۔ان سب تصورات کو الگ الگ طور پر بیان کیا جاسکتا ہے مگر ان کو کلی حیثیت سے جداگانہ نہیں سمجھا جاسکتا۔جدید تحریک نسواں کا آغاز اگرچہ مغرب میں ہوا مگر اسلام خواتین کے حقوق کا بیانیہ چودہ سو سال پہلے ہی متعارف کرا چکا تھا۔

تحریک نسائیت کے ارتقائی ادوار اور مختلف معاشروں میں اس کا تنوع اور مضبوط اظہار یہ ثابت کرتا ہے کہ اس تحریک نے سماجی ساخت، بیانیوں اور علوم و فنون پر گہرے اثرات مرتب کیے جس کے نتیجے میں مسلم معاشروں میں بھی اسلامی تحریک نسائیت کا ظہور ہوا۔اسلامی نسائیت سے متعلق تمام براہین و دلائل قرآن اور اسلامی تعلیمات پر مرکوز ہونے کے ساتھ نسائیت پسندی کے عالمی معیارات اور خواتین کی فلاح سے بھی منسلک ہیں۔مزید یہ کہ اس میں علاقائی، مذہبی اور معاشرتی اقدار کی بھی آمیزش موجود ہے جبکہ نسائی مفکرین کی نظر میں نسائیت کے نظریات اور بیانیوں کا مرکز مذہب نہیں بلکہ صرف خواتین کو ہونا چاہیے۔[55] مختلف معاشروں میں تحریک نسائیت کے انہی تغیرات کی وجہ سے اس تحریک کا ارتقاء جاری ہے۔

حواشی وحوالہ جات

1 Nancy F. Cott, *The Grounding of Modern Feminism*,(London:Yale University Press, 1987).13

2 Goldstein, Leslie F. (1982). "Early Feminist Themes in French Utopian Socialism: The St.-Simonians and Fourier". Journal of the History of Ideas. 43 (1): 91–108

3 "feminism". Oxford English Dictionary (3rd ed.). Oxford University Press. 2012.

4 Britannica Concise Encyclopedia, feminism, www.britannica.com accessed January ,8th,2020

5 Merriam-Webster.com Dictionary, s.v. “feminism,” accessed January 8th, 2020, https://www.merriam-webster.com/dictionary/feminism

6 Stanford Encyclopedia of Philosophy ,feminism, http://plato.standford.edu/encyclopedia/orchinfo.cge accessed on January, 15,2020

7 Collins ,*English Dictionary and Thesaurus*, (Collins: London, 2006)

8 Nancy F. Cott , *The Grounding of Modern Feminism*,(Yale University Press, 1987), 6

9 Cornell, Durcilla ,*At the Heart of Freedom;Feminism, sex and Equality*, (Princeton University Press: Princeton,1998),5

10 The Blackwell Encyclopedia of Sociology. Ed. George Ritzer (Blackwall publishing ltd, 2007) ،1666

11 Ibid;1685

12 Walby, Sylivia,*In search of Feminist Theory*,(Rouledge: London,2000), 236

13 Chamberlain, Prudence (2017). The Feminist Fourth Wave: Affective Temporality.(Cham: Springer)., 115.

14 Hanisch,Carol .The Personal is Political,carolhanisch.org accessed on February,11th,2020.

15 Whelehan, Imelda. Modern Feminist Thought: From the Second Wave to 'Post-Feminism'.(Edinburgh: Edinburgh University Press,1995)., 25–43

16 Martha Rampton,Four waves of feminism, Pacific magazine (http://magazine.pacificu.edu) accessed on ,july14th,2019
17 Nancy, *The Grounding of Modern Feminism*, (Yale University Press,1987)
18 Ibid,66
19 Martha Rampton,*Four waves of feminism*, Pacific magazine (http://magazine.pacificu.edu) .
20 جان سٹورٹ مل،خواتین کی محکومیت، مترجم افتخار شیر وانی،(لاہور:فیروزسنز،1993)
John Stuart Mill, *Khawātīn kī Maḥkūmiyat*, Mutarjim *Iftikhār Shayrwānī*, (Lahore, Feroze sons, 1993)
21 Phillips, Melanie, and the Ascent of Woman: A History of the Suffragette Movement and the Ideas Behind it, (London: Abacus, 2004). 37
22 Davidoff, Leonore,*Our Work, Our Lives, Our Words: Women's History, Women' s Work, (MacMillan: London,1986)*
23 Simone de Beavuoir, *The Second Sex*, Translated and edited by parshley (Vintage Books:New York,1974)
24 Showalter, Elaine ,*Towards a Feminist Poetics The New Feminist Criticism*, (Random House: New York,1988)
25 Whelehan, Imelda ,Modern Feminist Thought: From the Second Wave to 'Post-Feminism',25–43
26 Friedan, Betty, The Feminine Mystique,(Norton: New York.1963).
27 Friedan, Betty, The Feminine Mystique,22
28 . Showalter, Elaine, *Towards a Feminist Poetics The New Feminist Criticism*,44
29 Ibid
30 Ibid
31 Ibid
32 Showalter, Elaine ,*Towards a Feminist Poetics The New Feminist Criticism*,48
33 Martha Rampton, *Four waves of feminism*.
34 Leslie, Heywood;Third Wave Agenda: Being Feminist, Doing Feminism.(Minneapolis: University of Minnesota Press. 1997)
35 Gillis, Stacy; Howie, Gillian; Munford, Rebecca Third wave feminism: a critical exploration.(Basingstoke: Palgrave Macmillan,2007)., 275
36 Cochrane, Kira,"The Fourth Wave of Feminism: Meet the Rebel Women". The Guardian, (10 December 2013).

37 Maynard, Mary,"Beyond the 'big three': the development of feminist theory into the 1990s". Women's History Review. 4 (3): 259–281.
38 Butler, Judith ,Gender trouble: feminism and the subversion of identity.(New York: Routledge,1999)
39 Friedrich Engels, "The origin of the Family. Private Property and the state,) International Publishers: New York,1845)
40 Ibid
41 Mackinnon, Cathrine, *"Towards a Feminist Theory of the state"*, (Chicago: Havard University Press, 1989) .
42 Ibid
43 Firestone, Shulamith ,The Dialectic of Sex: The Case for Feminist Revolution, (Farrar: Straus and Giroux,2003)
48 Ibid
49 Ortner, Sherry Beth*, Is female to male as nature to culture*, M. Z. Rosaldo and L. Lamphrene. (ed) Women Culture and Society, (Stanford university press: Stanford, 1974.), 68-87.
46 Rosaldo, M. Z and L. Lamphren, (Ed) Lugo, Alejandro and Bill Maurer*, Woman culture and society*, (Stanford press: California, 2000).
47 Ibid
48 Hooks, bell, Feminism Is for Everybody: Passionate Politics. (Cambridge, Massachusetts: South End Press2000,).
49 The Declaration of Independence".U.S National Archives. 2015-10-30. accessed on December, 2nd, 2020.
50 Mackinnon, Cathrine *"Towards a Feminist Theory of the state"*, (Havard University Press:Chicago،1989)
51 Mills, Sara, *Feminist Postcolonial Theory*,(Edinburgh University Press:, Edinburgh.1998.),98-112.
52 Mernissi, Fatima*).Women and Islam: A Historical and Theological Enquiry*. Oxford: Blackwell, 1991.
53 Badran, Margot. "*Islamic feminism: what's in a name?* Al-Ahram Weekly Online. 17–23 January 2002, Issue No. 569.
54 Badran, Margot. *Feminism in Islam: Secular and Religious Convergences. (*Oxford: Oneworld, 2009).
55 Moghadam, Valentine M,. Islamic Feminism and its Discontents: Toward a Resolution of the Debate. Signs: Journal of Women in Culture and Society, 2002, vol. 27, no. 4. ,1135-1171-